انتہا پسندی، مفہوم مضرات، اسباب و تدراک

اسلام دین اعتدال ہے جس میں افراط و تفریط کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ اعتدال دین اسلام کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے یعنی حیات انسانی کا کوئی بھی پہلو افراط و تفریط سے تعبیر نہیں ہونا چاہیے۔ اعتدال دراصل افراط و تفریط اور تشدد وانتہا پسندی کی دونوں مذموم انتہاؤں کے درمیان ایک مامون و محفوظ شاہ راہ کا نام ہے۔ اسلام کا راستہ اعتدال کا راستہ ہے اوراسی کا نام صراط مستقیم ہے، یہ ان گروہوں کی راہ سے الگ راہ ہے جن پر غضب الٰہی نازل ہوا یا جو حق پانے کے باوجود گم راہ ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو جن بے شمار خصوصیات اور امتیازات سے نوازا ان میں ایک وصفِ خاص اور ایک طرّہ امتیاز یہ ہے کہ اس کا ہر حکم معتدل اور متوسط ہے اور افراط و تفریط سے پاک ہے۔ قرآن مجید میں ہے: اور ہم نے تم کو امت وسط بنایا (البقرۃ: ۱۴۲)

وسط اور اعتدال دونوں کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے، ائمہ لغت نے وسط کے معنی لکھے ہیں الخیار والاعتدال من کل شی " ہر شی کا بہترین اور درمیانی حصہ وسط ہے"، بعض لغویین نے وسط کی تعریف کی ہے: الخیار والاعلی من کل شی ہر چیز کا بہترین اور اعلی پہلو وسط کہلاتا ہے۔ لغت تصریحات کے مطابق اعتدال اور توسط کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کے دو متضاد و بالمقابل پہلوئوں کے درمیان کا حصہ اس طرح اختیار کیا جائے کہ ان دونوں پہلوئوں میں سے ایک دوسرے پر غالب نہ آئے اور کسی بھی مرحلے میں افراط یا تفریط کا احساس نہ ہو۔ اس کے بالمقابل انتہا پسندی یا غلو کے مفہوم کا تعین بھی بہت ضروری ہے۔

کسی بھی مسئلے میں اپنی ذاتی فکر کو حتمی، حرفِ آخر قرار دینا، اسی کو حق سمجھنا، اس کو منوانے کے لیے تشدد کرنا، اور کفر کے فتوے لگانا، کسی دوسرے کی رائے کو قبول نہ کرنا انتہا پسندی کہلاتا ہے۔ البتہ حق کو سمجھنا اور اس کی اتباع کرنا انتہا پسندی نہیں۔ واضح رہے کہ حق پر مطلوبہ سختی کرنا انتہا پسندی اور فرقہ واریت نہیں ہے۔ مثلاً لفظ اللہ اور ربّ میں تشدید سے سختی کی طرف اشارہ ہے، بچے جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز کے معاملے میں سختی کرنے کا حکم ہے تو اصل بات یہ ہے کہ باطل سختی نہیں ہونی چاہیے۔ لہذا اصل بات سے ہٹنا ہی فرقہ واریت ہے اور اصل قرآن و سنت اور منہج سلف ہے۔

اور انتہا پسندی کا تعین اس پر بھی موقوف ہے کہ پہلے دیکھا جائے کہ عدل واعتدال کیا ہے؟ جس کی وضاحت ابتدائی سطور میں کی جاچکی ہے اس کے مطابق معاشرے میں عدل واعتدال کو قائم کرنا دین کا بنیادی مقصد ہے، اسی کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو مبعوث فرمایا اور قرآن میں عدل وانصاف کا حکم موجود ہے گویا کہ عدل واعتدال کتاب و سنت میں ہی ہے اور اس کو قائم کرنا انتہا پسندی نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نرمی اختیار کرو اور غلو سے بچو: اللھُمَّ ارْفُقْ بِمَنْ رَفَقَ بِأُمَّتِي، وَشُقَّ عَلَى مَنْ يَشُقُّ عَلَيْهَا (مسند احمد: ۲۶۲۳۷)

الٰہی! اس شخص پر رحم کر جو میری اُمت پر رحم کرے اور اس شخص پر سختی کر جو اس پر سختی کرے۔

اور اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے: إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَ أَبْشِرُوا، وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ (صحیح بخاری:۳۹)

بے شک دین آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی اختیار کرے گا تو دین اس پر غالب آجائے گا اور اس کی سختی نہ چل سکے گی۔ پس اپنے عمل میں پختگی اختیار کرو اور جہاں تک ممکن ہو میانہ روی برتو اور خوش ہو جاؤ اور صبح اور دوپہر اور شام اور کسی قدر رات میں عبادت سے مدد حاصل کرو۔ ان بعض نصوص سے تو پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا پیغام نرمی اور اعتدال کا ہے، نہ کہ تشدد اور فرقہ واریت کا۔ انتہا پسندی اور فرقہ واریت چاہے سیکولرازم کی طرف سے ہو یا داعیانِ مذہب کی طرف سے دونوں کا راستہ روکنا ضروری ہے، کیونکہ فرقہ واریت ایک غلط رویّہ ہے نہ کہ مطلوبِ شریعت۔ یعنی اعتدال کے مقابل جس رویے پر ہم بات کرنا چاہتے ہیں وہ غلو اور انتہاپسندی ہے جس کی دین میں سختی کے ساتھ ممانعت ہے اور جس کے مظاہر صرف فتنہ اور فساد فی الارض کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ مقاصد شریعت میں سے ایک بنیادی اوراہم مقصد بندوں کو مشقتوں سے بچانا ہے، اللہ کے رسولؐ کا ارشاد ہے: ان الدین یسر (بخاری) ایک موقع پر فرمایا: ان اللہ لم یبعثنی معنتا ولا متعنتا ولکن یبعثنی معلما میسراً (مسلم)

سورہ حج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (الحج/۷۸)

اوراس نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔

دوسری جگہ فرمایا: يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ/۱۸۵)

اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دین اسلام کے تمام احکام اور شریعت کے تمام مسائل اس الٰہی حکمت کا مظہر ہیں۔ قرآن میں انتہا پسندی کے لئے جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ " غلو" ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ غلو کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کسی کی تعریف و مذمت میں حدود کو پامال کرتے ہوئے مبالغہ آمیزی سے کام لینا غلو کہلاتا ہے۔ (اقتضاء الصراط:۱/۲۸۹) اور شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی تعریف یوں کرتے ہیں: المبالغة فی الشی والتشدید فیہ بتجاوز الحد، یعنی حدود کو پامال کرکے مبالغہ تشدد سے کام لینا۔ (فتح الباری:۱۳/۲۷۸)

غلو وانتہا پسندی کی مختلف صورتیں ہیں اور ہو سکتی ہیں، لیکن یہ اسلام کی خوبی ہے کہ وہ انتہاپسندی کی ہر صورت کی مخالفت / مذمت کرتا ہے، جیسا کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایاکم والغلو فی الدین فانہ اہلک من کان قبلکم الغلو فی الدین، دین کے باب میں غلو سے بچو: تم سے پہلے کے لوگوں کی ہلاکت کا سبب یہی غلو تھا۔ (ابن ماجہ باب قدر حصی الرمی)

تشدد وانتہا پسندی کے انجام بد سے باخبر کرتے ہوئے اللہ کے رسولؐ نے ایک موقع پر فرمایا :ھلک ھلک المتنطعون....(مسلم)

امام نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بال کی کھال نکالتے ہیں، شدت پسندی کا راستہ اختیار کرتے ہیں اوراپنے قول و عمل میں حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔ انتہا پسندی کو دو بنیادی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتاہے ایک اعتقادی اور دوسرا عملی۔

اعتقادی انتہا پسندی کے مظاہر میں سر فہرست محبت رسول میں حد اعتدال سے تجاوز کرنا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ تصور کرنا، حاضر وناظر سمجھنا اور عالم الغیب سمجھنا حالانکہ متعدد آیات واحادیث میں ان باطل تصورات واعتقاد کی صریح تردید موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّکَ مَیِّتٌ وَاِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ "تمہیں بھی مرنا ہے اوران کو بھی مرنا ہے" (زمر/۳۰)

علم غیب کے سلسلہ میں فرمایا: " یہ علم غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کر رہے ہیں، اس سے پہلے نہ تم ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم" (ہود/۴۹) سورہ اعراف میں ارشاد باری ہے: " (اے نبی! ان سے کہو کہ میں اپنی ذات کے لئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، اللہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے، اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لئے حاصل کرلیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا۔" (اعراف/۱۸۸)

لیکن ہم ان دو پہلوؤں کے اعتبار سے نہیں بلکہ انتہا پسندی کے دورخ جن پر ہم تفصیل سے بات کریں گے ان میں سے ایک پہلو کا تعلق علمائے دین سے ہے اور دوسرا پہلو عوام سے ہے۔

عوام میں انتہا پسندیت وغلو کے اسباب

دین کے بہت سے مسائل میں عوام الناس کی طرف سے جب یہ فرق ختم کر دیا جاتا ہے تو ردعمل میں معاشرے کی خوبصورتیاں اور حسن مسخ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس امر کو اس طرح سمجھ لیا جائے کہ کچھ مسائل ایسے ہیں جو ہر فرد کے لیے لازم ہے کہ انہیں سمجھے اور اس پر عمل کرے اور انہیں دوسروں تک پہنچانے کی کوشش بھی کرے مثال کے طور پر بنیادی عقیدہ توحید کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر لازم ہے جیسا کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: فاعلم انہ لا الہ الا اللہ۔۔۔۔۔

اس آیت میں فاعلم کا مخاطب ہر انسان ہے اور اسی طرح عبادت، معاملات واخلاقیات میں بنیادی امور کا علم ہر مسلمان کے لیے لازم ہے عبادات میں اس قاعدہ کا علم سب کو ہونا چاہیے کہ عبادت صرف وہی ہے جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہو کسی انسان کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں یا انسانی عقل کی بنیاد پر کوئی قول یا فعل عبادت نہیں بن سکتا خواہ وہ کتنا ہی محترم ومکرم کیوں نہ ہو اور یہ کہ نہ صرف یہ بلکہ عبادت کیفیت ومقدار وتعداد بھی وحی کی روشنی میں ہی کی جائے اگر عبادت میں اس بنیادی قاعدے کا علم نہ ہو تو افراط وتفریط کا شکار ہونا بہت سھل ہو جاتا ہے جیسا کہ اذان سے قبل اور بعد میں السلام ووالصلاۃ علیک یارسول اللہ کے کلمات کا پڑھا جانا ہے جبکہ ان کلمات کا اس موقع پر پڑھا جانا ثابت نہیں ہے۔

معاشرہ میں انتہا پسندی کے عمومی اسباب:

انحراف و بگاڑ کبھی اچانک رونما نہیں ہوتا بلکہ دھیرے دھیرے اور بتدریج آتا ہے اور اس کے در آنے کے پیچھے بھی کچھ اسباب و علل ہوتے ہیں۔ دین کے باب میں غلو و انتہا پسندی کے بھی کچھ اسباب ہیں، ان میں دینی و نظریاتی بھی ہیں، سیاسی و سماجی بھی اور بعض نفسیاتی ہیں۔

ذیل میں اسباب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1) جہالت و حقیقت دین سے عدم واقفیت: مقاصد شریعت سے ناواقفیت، حدود شریعت سے دوری اور مسائل شریعت کو صحیح طور سے سمجھنے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ مثال کے طور پر قرآن و سنت میں وعدہ و وعید اور ثواب و عذاب دونوں طرح کے نصوص وارد ہیں۔ وعدہ پر مشتمل آیات کا تقاضا ہے کہ ان کو پڑھ کر دلوں میں اللہ کی رحمت سے امید اور اپنے گناہوں کی مغفرت کا جذبہ بیدار ہو اور وعید پر مشتمل آیات کفار و مشرکین اور مرتکبین معاصی کو عذاب الٰہی سے ڈرنے کا موجب ہوتی ہیں۔ اس سلسلہ میں کوتاہی کی وجہ سے انتہا پسندی نے جنم لیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ کسی نے ہر گناہ کے مرتکب کو کافر اور دائمی جہنم کا مستحق ٹھہرا دیا تو دوسری طرف یہ دعویٰ سامنے آیا کہ ایمان لانے کے بعد ارتکاب معصیت سے کوئی نقصان نہیں ہوتا اور تعظیم و توقیر رسولؐ میں اس قدر غلو کیا کہ خالص تصور توحید نگاہوں سے اوجھل ہو کر رہ گیا۔

2) خواہش نفس کی پیروی: جس سے قرآن پاک نے بار بار روکا ہے: ارشاد ہے: لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ۔ (مائدہ/۷۷) یعنی دین کے معاملہ میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کے تخیلات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور "سواء السبیل" سے بھٹک گئے۔

3) رد عمل: عصر حاضر میں عالمی سطح پر سیاسی حالات نے جو رخ اختیار کیا کہ مسلمان رد عمل کا شکار ہوئے، ایک طرف شعائر دین کی بے حرمتی اور مسلمانان عالم کے ساتھ ظلم و زیادتی، غیر اسلامی افکار و نظریات اور منکرات کا بڑھتا ہوا طوفان، ذرائع ابلاغ سے بے حیائیوں کا پرچار، جذبات کو بھڑکانے والا عریاں ادب، فحش لٹریچر اور ننگی تصویریں، عورتوں کا بے لباس میں دعوت نظارہ دینا ان ساری چیزوں نے دین دار مسلمان کو بالخصوص نوجوانوں کو رد عمل پر آمادہ کیا اور اس رد عمل کے مظاہر قطعاً غیر اسلامی اور جارحیت پر مبنی تھے جس کی واضح مثالیں عالم اسلام میں داعش اور القاعدہ اور وطن عزیز میں طالبان جیسے فتنے ہیں۔ واضح رہے کہ رد عمل کے لیے اسلام نے شروط و ضوابط مقرر کیے ہوئے ہیں ان کی عدم پابندی سے کبھی اچھے اور خوشگوار نتائج بر آمد نہیں ہوئے۔

عوام میں انتہا پسندی کے اسباب:

1) عوام کا اس انتہا پسندی میں مبتلا ہونے کی ایک وجہ اور بھی ہے کہ انہوں نے ان بنیادی امور پر توجہ دینے کے بجائے ان علمی مسائل میں دخل اندازی کرنا شروع کر دی جنہیں صرف علمائے کرام کی مجالس تک محدود رہنا چاہیے تھا۔ عوام کی کم علمی اور لاعلمی نے مسلمان معاشرہ میں جس طرح باہمی منافرت پیدا کرنا شروع کر دی اس کا سدباب بسا اوقات بہت مشکل ہوتا جارہا ہے۔

2) عوام کی جانب سے انتہا پسندی کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ عملی طور پر درپیش آنے والے مسائل کے بارے میں علمائے کرام سے دریافت کرنے کے بجائے فرضی مسائل کے بارے میں سوالات کرنے شروع کر دیے جس سے عمل کے مظاہر کم سے کم ہوتے جارہے ہیں اور کلامی اور منطقی بحوث نے عوام الناس کو بری طرح اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے

3) عوام کا افراط و تفریط میں مبتلا ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی بنی کہ فرضی مسائل کی طرح لا یعنی مسائل پر بھی ضرورت سے زائد توجہ دینا شروع کر دی اور جبکہ حدیث میں ہے کہ من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ (الحدیث) اب جن مسائل پر توجہ دینے کی ضرورت تھی ان پر توجہ نہ دی گئی جس کی وجہ سے جہالت اور لا علمی میں اضافہ در اضافہ ہوتا گیا۔

4) عوام کا افراط و تفریط میں گرفتار ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بنی کہ مذہبی جماعتوں کی باہمی منافست و تنازعات سے علمائے کرام کا مقام و مرتبہ کم ہوتا گیا جس کی وجہ سے عوام میں "اہل علم" اور "اہل ذکر" کی علمی ہیبت کی وہ کفیت باقی نہ رہی جو ہونی چاہیے تھی ہر مسلک میں داخلی طور پر بھی اور دیگر مسالک کے علمائے کرام کی تضحیک و استھزاء ایک معمول بنتا جارہا ہے اور پھر عمل اور رد عمل کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس کا کوئی انجام نہیں ہوتا۔

5) عوام کا میڈیا سے متاثر ہونا ایک طبعی اور فطری امر ہے اور میڈیا کا دیندار طبقہ اور مدراس کے حوالے سے جو موقف ہے وہ سب کے سامنے ہے لہذا میڈیا کے اس غیر فطری اور غیر شرعی رویوں نے بھی عوام کو اعتدال پرستی پر نہیں رہنے دیا۔

6) عوام کی انتہا پسندیت میں ایک اہم سبب غیر فطری اور غیر شرعی سیاسی گروہ بندیاں ہیں جس کے بعد مسلمان (جن کی محبت اور نفرت کی بنیاد کلمہ الاخلاص ہونا چاہیے تھا) کی محبت اور نفرت اس کی سیاسی وابستگی بنتی گئی، حق و باطل کے مابین خط تمیز سیاسی وابستگی قرار پائی یعنی راہ اعتدال سے انحراف کے بعد شیطانی شکنجوں میں گرفتاری سھل سے سھل ہوتی گئی۔

7) دین اسلام میں دلیل کا مفہوم، مقام و مرتبہ اور اہمیت کا عوام الناس کے لیے غیر واضح ہونا بھی ان کا جادہ حق اور راہ اعتدال سے ہٹنے کا ایک سبب بنا۔ لاعلمی کی وجہ سے دلیل کا مفہوم بدل گیا اور جسے کتاب و سنت

اور فہم صحابہ اور اجتہاد علمائے کرام کے ساتھ مختص ہونا چاہیے تھا وہ صرف اور صرف اقوال علمائے کرام تک محدود رہ گئی اور اس پر مستزاد یہ ہوا کہ قول بھی صرف ان علماء کا جو اپنے مسلک کے یا اپنے من پسند ہوں گو کہ یہ رویہ علمائے کرام میں بھی موجود ہے۔

8) اسلام میں مسجد معاشرتی مرکز کی حیثیت کی حامل ہے قرون اولی میں مسلمانوں کا مسجد کے ساتھ تعلق بہت زیادہ مضبوط تھا جس کی وجہ سے وہ کم از کم علم و عمل کے سلسلے سے وابستہ رہتے تھے وطن عزیز میں مسجد کے ساتھ سب سے بڑا ظلم یہ ہوا کہ اسے صرف نماز کی ادائیگی کا مرکز بنا دیا گیا اور باقی اعمال خیر سے اسے محروم کر دیا گیا جیسا کہ درس و تدریس اور علمی دروس وغیرہ اور مزید یہ الم ہوا کہ امام مسجد کے لیے علم دین سے قطع نظر صرف قاری قرآن کو بنیاد بنا دیا گیا جس کی سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ مسجد کی مسلمان معاشرے میں مرکزیت ختم ہو گئی۔ اور عوام کے لیے علم دین حاصل کرنے کا سب سے آسان ترین براہ راست ذریعہ بند ہو گیا

۔

یہ چند بنیادی اسباب ہیں جن کی وجہ سے عوام میں اعتدال پسند رویہ ختم ہو گیا اور انتہا پسندیت در آئی جس کا تعلق ان کی زندگی کے دینی اور دنیاوی پہلو سے تھا اور افراط و تفریط پر مبنی اس رویے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا قوت برداشت ختم ہو گئی اور ذہنی تناو و فرسٹریشن میں شدید اضافہ ہو گیا۔

علمائے دین میں انتہا پسندیت و غلو کے ممکنہ اسباب

علماء کرام کا افراط و تفریط میں مبتلا ہونا عوام کا انتہا پسندیت میں مبتلا ہونے سے کہیں زیادہ نقصان دہ اثرات کا حامل ثابت ہوا ۔ اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن اسباب کی بناء پر عوام میں افراط و تفریط کے رویے در آئے ان میں سے کچھ اسباب یہاں بھی کارفرما ہیں لیکن مجموعی طور پر اسباب درج ذیل ہیں۔

1) عصر حاضر میں علماء کرام کا انتہا پسندیت اور غلو میں مبتلا ہونے کی سب سے بڑی وجہ فقہ الواقع کا علم نہ ہونا ہے۔ اگر کتاب و سنت کی تعلیمات تا قیامت باعث ہدایت ہیں اور اس میں کوئی شک بھی نہیں تو اس کی تعلیمات و ارشادات زمانی و مکانی قیود سے ماوراء ہیں یعنی ان پر عمل ہر زمانے اور ہر جگہ ممکن ہے لیکن نصوص کتاب و سنت کو بسا اوقات اپنی لاعلمی و کم علمی کی وجہ سے وہ نصوص کو فقہ الواقع کے اعتبار سے منطبق کرنے میں جزوی یا کلی طور پر ناکام رہتے ہیں جس کی وجہ سے راہ اعتدال پر قائم رہنا ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے اور اس میں دعوت دین کے حوالے سے اختیار کردہ حکمت عملی و اسالیب میں موقع و ضرورت کی بنیاد پر تبدیلی کی مثال واضح ہے۔ اس میں کہا جا سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعوت کا آغاز اگر بتوں کو منہدم کر کے کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کا اختتام بتوں کو منہدم کر کے کیا یہ دعوتی اسالیب فقہ الواقع کی بہترین مثال ہیں جس سے عصر حاضر کے علماء کما حقہ واقفیت نہیں رکھتے۔

2) علماء کرام کا مذہبی و سیاسی جماعتی قیود کا پابند ہونا بھی انہیں راہ اعتدال پر رہنے سے روکتا ہے کیونکہ بسا اوقات جماعتی پالیسیاں اس راہ میں حائل ہو جاتی ہیں۔

3) علماء کرام میں شخصیت پرستی کا عنصر در آنا ایک حیران کن امر ہے جس کا سب سے زیادہ نقصان ہوا گو کہ شاگردانہ عقیدت کا وجود تو ابتداء سے ہی ہے اور تاریخ مسلمانان عالم کے ادوار اس رویے پر شاہد ہیں جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مخالفت میں جو علماء کرام تھے وہ سب اسی حوالے سے تاریخ کے صفحات میں محفوظ کیے گئے ہیں اور عصر حاضر میں بھی یہی امر بعض علماء میں بہت زیادہ در آیا ہے جس کا نقصان خود علماء کو بھی اٹھانا پڑا کہ کسی شخصیت کی رائے کا دفاع کرنے پر اسلام کے واضح اور متعین کردہ اصول و ضوابط کی پابندی بہت مشکل ہو جاتی ہے اور مستزاد یہ ہوا کہ اس کے اثرات عوام تک بھی پہنچے نتیجتاً عوام بھی انہی علماء کی تقلید میں شخصیت پرستی کے زہر میں گرفتار ہوتے گئے اور اس کے پس منظر میں سبب یہی کارفرما تھا کہ ہمارے استاد سے غلطی نہیں ہو سکتی۔

4) بعض علماء کی طرف سے بے جا اور بلا ضرورت فتوی بازی نے بھی علماء کرام کی صف کو نقصان پہنچایا اور یہ فتوی بازی محض فقہی مسائل پر مبنی نہ تھی بلکہ فقہی مسائل سے متجاوز ہو کر عقائد کی حد تک پہنچ گئی جس کے بعد مخالف مسلک کے علماء بالعموم شرک، بدعت، فاسق، فاجر، گستاخ، کافر جیسے فتاوی کا نشانہ بنے اور بالخصوص اپنے ہم مسلک علماء بھی ایسی شدت پسندی کا ھدف بن گئے واضح رہے کہ یہ فتاوی درست ہیں یا غلط اس امر سے قطع نظر بات کی جارہی ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ کیا سر دست اس امر کی ضرورت ہے جو بلا محابا اور انتہائی جارحیت پر مبنی لب ولہجہ کی بنیاد پر فتوی بازی کی جائے اور یہ بھی نہ سوچا جائے کہ ان کے فتاوی کے عوام پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ الغرض غلو پر مبنی ان فتاوی نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا خود دیندار طبقہ دو حصوں میں منقسم ہو گیا ایک طبقہ ان فتاوی کے دفاع میں سرگرم عمل ہو گیا اور دوسرا طبقہ ان فتاوی کے رد میں شدت پسندی اختیار کرتا چلا گیا نتیجہ علماء کی صف میں اعتدال پرستی کماحقہ ختم ہوتی جارہی ہے

5) فتوی بازی میں میں جارحیت اور شدت پسندی کے مظہر پر مبنی کلمات اور اسالیب استعمال کرنا اور ایسی تعبیر استعمال کرنا جو ایک اور شدت پسندی کو جنم دے رہی ہو اور سوء اتفاق سے یہ طرز عمل آہستہ آہستہ بڑھ رہا ہے

6) علماء کا سوشل میڈیا کو ایسے استعمال کرنا جیسا کہ وہ دوران تدریس طرق تکلم اختیار کرتے ہیں یا عام مذہبی اجتماعات میں جوش و جذبات سے بھرپور انداز اختیار کیا جاتا ہے واضح رہے کہ سوشل میڈیا کے استعمال کرنے کے اپنے آداب ہیں جن کا ملحوظ خاطر رکھنا از حد ضروری ہے۔

7) علماء کرام کا انتہا پسندی میں مبتلا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تنگ نظری اور اپنے مسلک کی حمیت کے نام پر تعصب اور دیگر مسالک کے علماء پر باطل ہونے کے فتاوی سے جوابی طور پر بھی یہی عمل اختیار کیا گیا جس کی ایک واضح مثال گذشتہ مہینوں میں سید مودودی کے حوالے سے جاری بحوث کا ایک سلسلہ لا متناہی تھا جس میں کچھ افراد انہیں منکر حدیث اور گمراہ تک گردان رہے تھے اور ان کی تمام حسنات کو رد کیا جارہا تھا تو احباب جماعت اسلامی سید مودودی کی شخصیت میں غلو آمیز رویے کو اختیار کرنا شروع ہوگئے اور اس کی ایک واضح مثال ملک غلام علی نامی ایک جماعتی مولف کی ہے جس نے سید مودودی کے دفاع میں صحابہ کرام پر طعن زنی شروع کردی تھی۔

8) کبار مشائخ کا طرز عمل شخصیات پر حکم لگانے کے حوالے سے بہت محتاط ہوتا ہے کہ وہ نتائج و عواقب کو بھی دیکھ رہے ہوتے ہیں لہذا "رد بقدر غلطی" کا منہج اختیار کرتے تھے اور ہیں لیکن بعض جارح پسند افراد نے غلطی کی نوعیت کو دیکھے بغیر بلا محابا اور بلاضرورت اسلام سے خارج کرنا شروع کردیا اور حکم لگاتے لگاتے خود فتنہ تکفیر میں گرفتار ہوتے گئے۔ اور یہ عمل بھی راہ اعتدال اور امت وسط کے منہج سے انحراف ہی تھا اور اس کا سب سے اثر بد عوام پر مرتب ہوا کہ وہ بھی اسی طرز عمل کے عامل ہوتے گئے

9) علماء کرام کا عصری سیاسی اسالیب کو اختیار کرنا جس میں مکر وفریب، مخالف کو دشنام طرازی اور الزام تراشی کا اسلوب بد اختیار کرنا تھا جس سے ان کے مقام و مرتبہ کو شدید نقصان پہنچا اور اس کی ایک واضح مثال موجودہ ملکی سیاست میں مسلم لیگ ن اور تحریک انصاف کے مابین اخلاقیات کی ہر حد سے تجاوز کر جانا یہاں تک ذاتیات اور گھریلو خواتین پر انتہائی واہیات تبصرے سوشل میڈیا، پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا پر کثرت سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ سوء اتفاق سے علماء کرام میں سے کچھ ناعاقبت اندیش وجود اس غیر اخلاقی و غیر شرعی جنگ میں کود پڑے، معاشرے میں موجود کسی موضوع سے متاثر ہونا اور محدود انداز اپنے دینی مقام و مرتبہ کو مد نظر رکھتے میں مہذب رد عمل دینے میں کوئی مضایقہ نہیں لیکن عصری سیاسی کارکنان کا انداز اختیار کرنا اس میں اعتدال پرستی پر قائم رہنا ناممکن العمل ہے۔

10) علماء کرام کا وجود مسعود علم کی اساس پر ہے جدید ایجادات نے علوم اسلامیہ سے استفادہ کو سھل ترین بنادیا ہے یہ واضح رہے کہ علوم اسلامیہ کی تحصیل کی بات نہیں کی جارہی کہ تحصیل علوم اسلامیہ اپنے روایتی خدوخال کی بنیاد پر ہی درست ہے لیکن جدید ایجادات نے علماء کرام کو مصادر و مراجع سے عملی طور پر دور کر دیا ہے جس کا نقصان یہ ہوا کہ کتب سے تعلق ٹوٹتا جارہا ہے اور جدید ایجادات بطور معاونت ممد و معاون ہیں لیکن ان کی بنیاد پر کتب سے تعلق منقطع کر دینا ایک ضرر رساں پہلو ہے کیونکہ مطالعہ کتب انسان کی فکر و نظر میں وسعت کا سبب بنتا ہے جبکہ کتب بینی میں مطلوبہ موضوع کی تلاش کے ساتھ ساتھ دیگر مفید نکات بھی نظر کے

سامنے آتے رہتے ہیں جبکہ جدید ایجادات میں تلاش کی صورت میں صرف مطلوبہ معلومات ہی سامنے آتی ہیں اور مطلوبہ معلومات کے متعلقات سامنے ہی نہیں آتے جس کی وجہ سے کسی بھی موضوع کا حق ادا کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔

(11) مطالعہ کتب کے پس منظر میں علماء کرام کا غلو و انتہا پسندی میں مبتلا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صرف اپنے موقف کی تائید کی کتب پڑھی جائیں اور اگر مخالفین کی کتب پڑھی بھی جائیں تو اس میں خامیاں تلاش کرنے اور اس پر رد کرنے کے لیے جبکہ یہ طرز عمل کسی بھی صورت میں عالم دین کو زیب نہیں دیتا کہ وہ دلیل کے ساتھ ہوتا ہے لیکن جبکہ وہ مطالعہ کو محدود بنیادوں پر کرتا ہے اور اسی بنیاد پر اسے اپنا آپ ہی درست نظر آتا ہے اور باقی سب خطاکار اور غلط نظر آتے ہیں۔

الغرض معاشرے کے یہ دونوں عناصر شعوری اور لاشعوری طور انتہا پسندیت کی زد میں ہیں۔ دیندار طبقہ کا انتہا پسندی کے عفریت کے چنگل میں پھنسنا تو الگ رہا معاشرے میں کچھ عناصر ایسے بھی ہیں جو مذہب اسلام کے نام پر معاشرے میں انتہا پسندانہ افکار کو پھیلا رہے ہیں جس میں سر فہرست لبرل فاشسٹ ہیں جنہیں ہر داڑھی، ٹوپی اور کُرتے والا انتہا پسند یا دہشت گرد نظر آتا ہے۔ اور ہمارا میڈیا بھی نامعلوم ایجنڈے کے تحت دنیا کو یہی باور کروانے میں مصروف عمل ہے کہ مذہب اسلام کے ساتھ وابستگی ہی انتہا پسندیت اور دہشت گردی کو جنم دیتی ہے جبکہ حق تو یہ ہے کہ انتہا پسندی میں مذہب حقیقی وارثین تو بہت کم ہیں لیکن اس کے نام پر مذموم کردار ادا کرنے والے بہت ہیں جیسا کہ وطن عزیز میں مختلف ٹی وی چینلز میں سارا سال فحاشی پھیلانے والے کردار رمضان میں اسلام کے نام پر غیر اسلامی فکر کو پھیلانے میں مصروف ہوتے ہیں بلکہ بول چینل میں تو باقاعدہ میزبان دشنام طرازی کروانے میں مصروف عمل تھے اور اسے دین کی نشر و اشاعت کا نام دے رہے تھے۔ الحفیظ والامان۔

یہ بات واضح کر دی جائے کہ انتہا پسندی کو مذہب کے ساتھ جوڑنا ایک مخصوص مذمومانہ اھداف کی تکمیل کا حصہ ہے وگرنہ ملک کی ایک اہم سیاسی جماعت سے بے شمار افراد کو شکوہ ہے کہ اس کے کارکنان ذرا سے اختلاف رائے کو بھی برداشت نہیں کرتے اور اپنے نقطہ نظر سے اختلاف کرنے والوں پر مغلظات کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں۔

یہاں بسااوقات انتہا پسندی کو بنیاد پرستی سے جوڑ دیا جاتا ہے جبکہ اس کا مطلب کسی بھی نظریئے یا عقیدے کی اصل بنیادوں یا نظریات پر قائم رہنا ہے۔ اب یہ جہاں تنگ نظری اور نظریات کی سطحی اور غلط تشریحات جنم دینے لگے تو دیگر عقائد و نظریات اور ان کے حامل افراد بنیاد پرستی کی اس لپیٹ میں آنے لگتے ہیں۔ عموماً مذہبی بنیاد پرستی سے وابستہ رجعتی نظریات ذہنی و تمدنی پسماندگی، غربت، جہالت اور سماجی بوسیدگی میں پرورش پاتے ہیں۔ لیکن اس کے پر تشدد ہونے میں انسان کے اس رد عمل کا بھی ہاتھ ہوتا ہے جس کا اظہار وہ معاشرے کے ظالم، استبدادی نظام سے نفرت کے طور پر کرتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ انتہا پسندی اور اسلام دو متضاد چیزیں ہیں۔ اسلام ایک اعتدال پسند مذہب ہے، اور اس کی تمام تعلیمات میں یہ وصفِ خاص ممتاز طور پر نظر آتا ہے۔ لہذا اسلام اس کی تائید نہیں کرتا، اس انتہا پسندی کے جس پہلو سے دہشت گردی جنم لیتی ہے، اور جہاں پہنچ کر عدل وانصاف کے تمام تقاضے رخصت ہو جاتے ہیں، صرف ایک جنون باقی رہ جاتا ہے، قابل مذمت ہیں۔ آج جہاں کہیں بھی دہشت گردی نظر آرہی ہے، وہ اسی جنون کے مختلف مظاہر ہیں۔ اسلام کو وہ انتہا پسندی بھی مطلوب نہیں جو کسی فرد یا قوم کو انتہائی بزدل بنا دیتی ہے اور اس میں اتنی صلاحیت یا اتنا حوصلہ اور سکت بھی باقی نہیں رہتی کہ وہ اپنا حق لے سکے یا اپنا دفاع کر سکے۔ اسلام کی اعتدال پسندی یہ ہے کہ وہ اپنی جان ومال، اور دین ووطن کے دفاع اور تحفظ کے لیے سینہ سپر رہنے کی تلقین بھی کرتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ کسی فرد یا قوم سے کسی دوسرے فرد یا قوم کو بلا قصور کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

ملک کے معروف ماہر تعلیم اور دینی سکالر ڈاکٹر عبد الرحمن المدنی مدیر جامعہ رحمانیہ لاہور اپنے ایک خطاب میں اس حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ:

"اسلام دین برحق ہے اور حق کو دنیا میں نافذ العمل بنانا دین اسلام کا سب سے بڑا مشن اور مقصد ہے۔ جبکہ موجودہ حالات میں سیکولرازم دین اسلام کی حقیقی ہیئت اور شکل کو مسخ کرنے کے درپے ہے جس کا دعویٰ ہے کہ وہ علم اور دلیل کی بات کرتا ہے، جبکہ مذہب جذبات اور عقیدت کی بات کرتا ہے۔ 1857ء تک تمام دینی مدارس کا نصاب تعلیم اور فکری اساس متحد تھی، کسی مسلک کی تفریق نہ تھی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد برطانوی سامراج نے مسلمانوں میں اتحاد کو ختم کرنے کے لیے شیعہ سنّی کی تفریق پیدا کی جس کی وجہ سے مسلمان اُمت وقت گزرنے کے ساتھ باہم دست وگریباں ہونے کی وجہ سے تشدد اور انتہا پسندی کی نذر ہو گئی۔ اُنھوں نے بتایا کہ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کے دو واضح بلاک بن چکے ہیں: سنّی ،شیعہ۔ پہلا بلاک فقہ جعفری کا ہے جس کے مطابق ایران کا آئین اور دستور بنایا گیا ہے۔ جبکہ دوسرا بلاک سنّی ہے جس کو آگے تین گروپوں میں تقسیم کیا گیا ہے: اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی.... طالبان کے دور میں فقہ حنفی کو افغانستان کا آئین اور دستور بنانے کی کوشش کی گئی جس کے نتیجے میں باقی مسالک اور قرآن وسنت سے براہِ راست استدلال کے امکانات مخدوش ہو گئے۔ کسی بھی معاملے کو اکثریت اور غالب ہونے کی وجہ سے قبول کیا جائے یا دلیل کی بنیاد پر...؟ آیتِ مبارکہ: قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ... کے مطابق داوٗد علیہ السلام کے پاس ایک کیس لایا گیا کہ ایک آدمی کی ۹۹ بھیڑیں تھیں، دوسرے کی ایک ہی بھیڑ تھی۔ ۹۹ والے نے ایک بھیڑ لینے کا کیس داوٗد علیہ السلام کے سامنے دائر کیا تو آپ نے علم وحکمت کے ساتھ فیصلہ فرمایا، نہ کہ اکثریت کو بنیاد بنا کر۔ اس مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ فیصلہ کرتے وقت حق اور دلیل کو دیکھا جاتا ہے، نہ کہ محض اکثریت اور غلبے کو۔ اُنہوں نے مزید فرمایا کہ 'دانش گاہیں اور عدالتیں' ایسی جگہیں ہیں جہاں صرف اور صرف دلیل کا زور چلتا ہے۔ تعلیمی اور قانونی اداروں میں ذاتی پسند وناپسند، گروہ بندی اور حزبیت کی بجائے دلائل کی حکومت ہوتی ہے اور ہونی چاہیے، ان سے بلند ہونے والی طاقتور

آواز سے معاشرے اور اقوام کا رخ بدل جاتا ہے۔اور تعلیم ہی انسانی فکر کی تشکیل کرتی ہے۔اسی لیے ہم نے ان میدانوں میں اللہ کے دین کا بول بالا کرنے کے لیے اس میدانِ کار کو منتخب کیا ہے۔"

یہاں اس امر کا بھی خیال رکھا جائے کہ اعتدال پرستی کو اختیار کرتے کرتے ہم مداہنت کا شکار نہ ہو جائیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ فریق مخالف سے بات سنیں اور سنائیں، وہ مانے یا نہ مانے یہ اس کی مرضی ہے۔ہمارے ذمہ کوشش ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کو دعوتِ اسلام دی لیکن اس نے آپ کی دعوت کو نہیں مانا کیونکہ توفیق دینا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (سورۃ القصص:۵۶) آپ جسے چاہیں، اسے ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

انتہاپسندی ہر پہلو اور سمت سے قابل اصلاح ہے، اسلام کے نام پر ہونے والی انتہاپسندی کے ساتھ ساتھ لبرل اور سیکولر طبقے بھی انتہاپسندانہ رویے اختیار کر چکے ہیں، جس کی مثال فیس بک اور سوشل میڈیا پر آئے روز اسلام اور شعائر اسلام کے خلاف آنے والے اعتراضات ہیں۔ ان کا بھی خاتمہ ہونا چاہیے اور ہر لحاظ سے معاشرہ کو اعتدال کا علم بردار ہونا چاہیے۔

مضرات انتہاپسندی

انتہاپسندی کے ضرر رساں پہلوؤں پر اگر بات کی جائے تو اس وقت معاشرے میں جو صورت حال ہمارے سامنے ہے اس کو اختصار کے ساتھ اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

ملکی سیاسی جماعتوں کی قیادت میں "صادق وامین" کا خاتمہ، علم کے نام پر بددیانتی کا رائج کیا جانا، معاشرے میں جا بجا شکوک وشبہات اور ابہامات کا فروغ، تعمیری ومثبت سوچ کا فقدان، قتل وغارتگری، اسلامی تعلیمات پر عملی عدم اعتماد، مالی ،جانی اور دیگر نہ ختم ہونے والے نقصانات کا اک سلسلہ طویل۔یعنی انتہاپسندی کے بے شمار انفرادی واجتماعی نقصانات ہیں، مگر یہاں بعض اہم نقصانات کے ذکر پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

1) بدعات کا ارتکاب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من أحدث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فھو رد (بخاری) اس حدیث میں دین کا ایک اہم اصول بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ ہر وہ کام جسے نیکی اور قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر انجام دیا جائے حالانکہ اس پر کتاب وسنت کی کوئی دلیل نہ ہو۔ایسے تمام کام بدعت شمار ہوں گے ۔

2) عمل سے دوری: انتہا پسندی کی عمر بہت مختصر ہوتی ہے، غلو کی راہ پر چلنا اوراسے عادت بنالینا آسان نہیں ہوتا، اکتاہٹ انسانی فطرت کا خاصہ ہے نیز انسان کی قوت کار بھی محدود ہوتی ہے، اگر وہ سختی پر کچھ دن صبر کر بھی لے تو جلد ہی اس کی ہمت جواب دے دیتی ہے اورآخر کار آزادی وبے عملی کی راہ اختیار کرلیتا ہے اس

لئے دین کی تعلیم یہ ہے کہ: علیکم بمایطیقون فواللہ لا یمل اللہ حتی یملوا" تم اسی کے اور اتنے کے ہی مکلف ہو جتنا تمہارے بس میں ہے، بخدا، اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا مگر تم اکتا جاؤ گے۔(بخاری و مسلم)

3) دین سے نفرت: کوئی بھی مذہب اپنے افکار و نظریات اور اصول وعقائد سے زیادہ اپنے ماننے والوں کے کردار سے جانا جاتا ہے۔ مذاہب جہاں اپنے حاملین کے بلند کردار سے پھیلتے ہیں وہیں ان کے غلط رویہ اور شدت پسندی کی وجہ سے بدنام بھی ہوتے ہیں اور دوسروں کے لئے باعث نفرت بن جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ہدایت کی کہ وہ لوگوں کو دین سے متنفر کرنے کا سبب نہ بنیں۔ یہ اصول بھی ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے۔

4) حقوق تلفی: بنیادی حقوق انسان کا خیال نہ رکھنا بھی انتہا پسندی کا ایک مظہر ہے حتی کہ عبادات کی ادائیگی میں بھی جسم کے حقوق کو مد نظر رکھا جائے کیونکہ اگر کوئی شخص اپنی ساری توجہ کسی ایک عبادت پر مرکوز کر دے تو دیگر عبادات اور حقوق لازماً متاثر ہوں گے۔ اس لئے بندۂ مؤمن پر ضروری ہے کہ عبادات کی انجام دہی میں اعتدال و توازن سے کام لے تاکہ دوسرے حقوق متاثر نہ ہوں۔

5) افتراق و انتشار: شدت پسندی کا سب سے بڑا نقصان تفرقہ بازی بھی ہے، صدر اول میں تاریخ اسلام میں جو فرقے وجود میں آئے ان میں بیشتر اس غلو و شدت پسندی کا نتیجہ تھے۔ عصر حاضر میں انتہا پسندی دو حیثیتوں سے افتراق امت کا سبب بنی ہوئی ہے۔ ایک منہج اعتدال سے دوری کی حیثیت سے۔ امت کا بڑا طبقہ، دانستہ یا غیر دانستہ۔ اپنی انتہا پسندی کی وجہ سے اعتدال سے دور ہو رہا ہے جس کے نتیجہ میں فکر و نظر، سلوک رویہ، دین و دنیا غرض ہر شعبۂ زندگی میں بے اعتدالی نے راہ پالی ہے۔ دوسرے اس انتہا پسندی کے نتیجہ میں اسلامی غیرت و حمیت کی بجائے جماعتی، تحریکی اور مسلکی تعصب دن بدن شدت اختیار کرتا جا رہا ہے اور حال یہ ہو گیا ہے کہ اسلام اب فرقوں، جماعتوں اور مسلکوں کے ذریعہ جانا جانے لگا ہے۔

6) غیر اسلامی اصولوں کی ایجاد:۔ غلو و انتہا پسندی سے ایک بڑا نقصان یہ بھی ہوا ہے کہ اس کی وجہ سے ایسے اصول و قواعد وضع کئے گئے ہیں جو دین میں تحریف کا سبب بنے۔ جس کی ایک واضح اور بین مثال گروزنی میں صوفیاء کانفرنس تھی جس میں خود ساختہ قواعد و ضوابط کے تحت امت اسلامیہ کے ایک بڑے حصے کو دین اسلام سے ہی خارج کر دیا گیا۔

7) تصوف کے مظاہر: انتہا پسندی کا نقصان تصوف کے مظاہر میں دن بدن غیر اسلامی حرکات و شعائر کا اضافہ ہے گو کہ تصوف اپنی اصل میں ہی اسلام سے بہت بعید ہے یہ اسلام کے بالمقابل ایک متوازی نظام ہے جس میں اسلامی اصطلاحات کو جزوی طور پر اور جن اسلامی اصطلاحات کو من وعن استعمال نہیں کرنا تھا ان کے متبادل یونانی فلسفہ اور ہندووانہ افکار سے کلمات مستعار لے لیے گئے۔ نتیجہ وطن عزیز میں آئے دن تصوف کے

نام پر کچھ بد بخت شرکیہ اور کفریہ افعال کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ خواتین کی عصمت دری ایک عام فعل ہے لہذا جب تک ایسا کوئی بد بخت پکڑا نہ جائے وہ نعوذ باللہ " اللہ کا ولی" بنا رہتا ہے اور جب پکڑا جاتا ہے تو وہ جعلی عامل بن جاتا ہے اس کے باوجود جہالت کی وجہ سے اس کا سد باب مشکل تر ہوتا جارہا ہے۔

سد باب و تدارک:

ہمیں اسلام کی تمام تعلیمات میں اسی حسن اعتدال کی جھلک ملتی ہے، یہاں تک کہ انتہا پسندی کے باب میں بھی اسلام اسی جادہ اعتدال پر گامزن نظر آتا ہے، آج دنیا انتہا پسندی اور اس کے پہلو سے جنم لینے والی دہشت گردی سے پریشان ہے بلا شبہ بے قصور انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنا، اوران کی املاک تباہ کرنا انتہا پسندی ہے، لیکن ظلم برداشت کرنا اور حق تلفیوں پر خاموش رہنا بھی انتہا پسندی ہے۔ اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

جہاں تک فتنہ وفساد اور قتل ناحق کا معاملہ ہے اسلام سے زیادہ کسی بھی مذہب نے اس کی مذمت نہیں کی۔ وہ سراپا امن مذہب ہے اور ہر طرف امن وسلامتی دیکھنا چاہتا ہے۔ جہاں تک افہام و تفہیم کا تعلق ہے اسلام سے زیادہ افہام و تفہیم کا قائل بھی کوئی دوسرا مذہب نہیں ہے، نہ اس میں جبر واکراہ ہے نہ ظلم وزیادتی ہے، نہ حق تلفی اور ناانصافی ہے، بلکہ ہر معاملے میں اس کا رویہ مصالحت آمیز اور روادارانہ ہے۔ دہشت گردی اور انتہا پسندی کی مذمت بہت ہو چکی ہے

1) انتہا پسندی کی اصل کتاب وسنت سے انحراف ہے لہٰذا جب تک امت کتاب وسنت کو مضبوطی سے نہیں پکڑے گی اس میں اضافہ ہی ممکن ہے اسی امر کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخری خطبے میں تاکید کی تھی: ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ابعدی ان تمسکتم بہما، کتاب اللہ وسنتی (حوالہ)

2) اسوۂ صحابہ: صحابہ کرام اس دین کے اولین شارح ہیں ان کی عدالت وصداقت رشد وہدایت، فہم وبصیرت اور درایت وروایت کو قرآن مجید کی سند حاصل ہے۔ دین کا کوئی مسئلہ نہیں ہے جس کے سلسلہ میں فیض یافتگان نبوت سے روشنی حاصل نہ کی جاسکتی ہو۔ امام ابن قیمؒ کے الفاظ ہیں: وہ کون سی بھلائی ہے جس کی طرف اصحابِ رسول لپکے نہ ہوں اور دانشمندی کی وہ کونسی راہ ہے جس پر ان کے قدم نہ پڑے ہوں۔ اللہ کی قسم! وہ پانی کے صاف وشفاف چشمہ سے سیراب ہوئے تھے، اسلام کی بنیادوں کو انہوں نے ایسا استوار کیا تھا کہ کسی کے لئے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔ (اعلام الموقعین: ۱/ ۱۵) لہٰذا ضروری ہے کہ دینی اور دنیوی دونوں امور میں ان کے طریقہ کی پیروی کی جائے صحابہ کرامؓ سے ہمارا رشتہ جتنا کمزور ہو گا، انتہا پسندی میں اتنا ہی اضافہ ہو گا۔

3) فکر اعتدال کی اشاعت:۔ دین کے مزاج کو عام کیا جائے۔ یہ مزاج جس قدر عام ہو گا تشدد میں کمی واقع ہو گی، ہر چیز کے دو کنارے ہوتے ہیں، اگر ایک کنارہ کو پکڑا جائے گا تو دوسرا لازماً متاثر ہو گا اس لئے درمیانی اور بیچ کے حصہ کو پکڑنا چاہئے تاکہ دونوں سروں میں توازن قائم رہ سکے۔ امام ابن قیم نے لکھا ہے: اسلام

، مسلک اعتدال کی پیروی پر زور دیتا ہے جو افراط و تفریط کی درمیانی راہ ہے، دین و دنیا کی ساری مصلحتیں اعتدال و توازن پر موقوف ہیں کہ یہی عدل و انصاف کی شاہراہ ہے۔" (اغاثۃ اللھفان: ۱/ ۱۳۱)

4) جہالت کا خاتمہ: جہالت انتہا پسندی ہی نہیں بلکہ تمام انحرافات کی جڑ ہے اسی لئے اسلام نے حصول علم کو فرض قرار دیا ہے۔ "طلب العلم فریضۃ" علامہ ابن قیم اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: اگر انسان سب کچھ جان لے مگر اسے معرفت رب حاصل نہ ہو تو گویا وہ بے علم / جاہل ہے۔ (اغاثۃ اللھفان ص۶۸) جب انسان کسی چیز کی حقیقت تک پہنچتا ہے تو پھر صحیح معرفت ہوتی ہے۔ حقیقت تک پہنچنے کے لیے علم اور دلائل کی ضرورت ہوتی ہے اور سب سے بڑی دلیل قرآن و سنت ہے، لہذا ہم انتہا پسندی کے تمام پہلوؤں کو ختم کر سکتے ہیں، جب ہمارے پاس قرآن و سنت کا حقیقی علم ہو گا۔

5) مختلف مکاتب فکر کی ممتاز شخصیات کا احترام کیا جائے، ان کے موقف کی ممکنہ غلطی کی بناپر اُن کی نیت پر حملہ نہ کیا جائے۔ پھر معاشرے میں پائے جانے والے موقف دو طرح کے ہیں، ایک تو علمی طور پر کتابوں میں موجود ہیں، دوسرا وہ جو بعض عوامی خطبا کی زبانوں پر ہیں، ان دونوں میں بھی بہت سا فرق ہے۔ ہر مکتبِ فکر کے علما کو اپنے خطبا اور عوام کی اصلاح کا فریضہ انجام دینا چاہیے مثلاً جملہ بریلوی علما و مفتیان اس بات پر متفق ہیں کہ عورتیں مزاروں پر نہیں جاسکتی تو صرف اسی بات پر بریلوی عوام کو عمل کرا لینے سے کتنے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح باہمی اختلافات کے خاتمے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مختلف الخیال اہل علم کو باہمی تبادلہ خیال کا موقع دیا جائے، ایک دوسرے کے دلائل تحمل و برداشت سے پیش کیے جائیں، اس سے بھی اختلافات میں بہت سی کمی آسکتی ہے۔

6) نص صریح کی موجودگی میں اجتہاد استدلالی قوت نہیں بلکہ استبدالِ دین ہے، نص (قرآن و سنت) کی موجودگی میں جو مکالمہ کرتا ہے دراصل اس کا ایمان قابل مکالمہ ہے، اس لیے ہمیشہ حق کے ساتھ انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے جستجو ہونی چاہیے اور پھر انسان اگر اکیلا بھی ہو لیکن اللہ کی تائید اور مدد اس کے ساتھ ہو، تو وہ اکیلا بھی جماعت ہے جیسا کہ سیدنا ابراہیم۔ ﴿اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيۡفًا﴾ (حوالہ) بے شک ابراہیم اکیلے ہی امت تھے۔ یعنی جتنا کام پوری اُمت مل کر کرتی ہے اتنا کام اکیلے ابراہیم نبی علیہ السلام نے کر دیا۔ لہذا اس کے خاتمے کے لیے مسلک کی نہیں بلکہ اللہ اور رسول کی نمائندگی کرنی چاہیے، مسائل میں اختلاف ہو جاتا ہے لیکن اختلافات کا اصل علاج دلیل سے ہونا چاہیے اور دلیل میں تعصّب نہیں ہونا چاہیے، اور یہ تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب کہ ہمارا مزاج تحقیق پسندانہ ہو اور تحقیق ہی کو فروغ دے۔

7) عصر حاضر میں دینی جامعات اور جدید علوم کی جامعات کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے کہ وہ چند ایک اقدامات کریں: جامعات کو چاہیے کہ وہ جہاد کا صحیح اسلامی تصور واضح کریں کیونکہ دنیا کے سامنے جہاد کا صرف

ایک منفی پہلو ہی رکھا جارہا ہے، جبکہ جہاد کے دونوں پہلوؤں کو عامۃ الناس اور نوجوان نسل میں واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ مسلم، غیر مسلم کی جان ومال اور عزت کی حفاظت کے متعلق اسلامی تعلیمات کو عام کیا جائے۔ دین نے تو ایک ہی تصور دیا تھا: ﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا (حوالہ) اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی تمہارا نام 'مسلم' رکھا تھا، اور اِس میں بھی۔ میڈیا میں جب دین کی اقدار کا مذاق اُڑایا جائے اور وہ چیزیں پیش کی جائیں جو دین کی جڑ کاٹنے والی ہیں تو اس سے نوجوان نسل میں انتہا پسندی کی صورت میں لازمی رد عمل پیدا ہو گا، اس طرح جب غیر اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے جو اقدامات کیے جارہے ہیں، این جی اوز اور بہت سارے عناصر مل کر ہمارے نصابات میں تبدیلیاں کر رہے ہیں، یہ سب چیزیں رد عمل پیدا کر رہی ہیں، لہٰذا ایسے عناصر کو روکا جائے۔ ایسے حالات میں دینی اور دنیاوی جامعات کا کردار بہت بڑھ جاتا ہے کہ وہ مکمل ہوم ورک اور تیاری کے ساتھ میڈیا کے نمائندوں / اینکرز کو اکٹھا کر کے اُن کو دین کے صحیح تصورات اور اسلامی تعلیمات سے آگاہ کریں۔ کچھ اساتذہ، علما اور طلبا کا انتخاب کر کے اُنہیں ان موضوعات کے لیے تیار کیا جائے جو معاشرے کی ضرورت ہیں اور لوگ سننا چاہتے ہیں مثلاً دین کا صحیح وجامع تصور، انتہا پسندی وفرقہ واریت کے اسباب، نقصانات اور خاتمے کی تجاویز، مسلم وغیر مسلم کے جان ومال اور عزت کے تحفظ کے حوالے سے اسلامی تعلیمات۔

8) انسان میں انتہا پسندی وتشدد لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے آتی ہے۔ اگر انسان کے پاس علم اور دلائل موجود ہوں تو وہ باوقار طریقے سے صرفِ نظر کرتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابراہیم نے جب اپنے والد کو نرمی سے دعوت دی تو باپ غصّے میں رجم کرنے اور گھر چھوڑنے کی دھمکی دینے لگا۔ تشدد اور جہالت کا خاتمہ علم اور دلائل ہی سے ممکن ہے، جبکہ دین اسلام علم اور دلائل ہی کا نام ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ (حوالہ) پڑھو اپنے ربّ کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ انتہا پسندی، تشدد اور غلو ان سب کا اللہ تعالیٰ نے رد کرتے ہوئے فرمایا: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (حوالہ) کہو، اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور نہ اُن لوگوں کے تخیلات کی پیروی کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سَواء السبیل سے بھٹک گئے۔ انتہا پسندی اور فرقہ واریت کا اصل توڑ نرم گوئی اور نرم مزاجی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا: ﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (حوالہ) اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا، شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ قَالَ لِاَخِيْهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا (حوالہ) جو اپنے بھائی کو کافر کہے تو دونوں میں سے ایک کافر ہو جاتا ہے۔ امام بخاری باب من كفّر

اَخاہ بغیر تاویلہ کا عنوان قائم کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ اس آدمی کے لیے ہے جس نے مسلمان کو حقیقی کافر کہا، اللہ کا منکر بنادیا۔

(9) تقریر، تحریر، تدریس وغیرہ میں ایسی سرگرمیوں سے گریز کیا جائے جس میں عدم برداشت کا پہلو ہو۔

(10) واعظین وخطباء حضرات کا میرٹ طے کیا جائے یعنی تخصص فی الخطابہ کورس کا آغاز ہو، خطباء سلیکشن کمیٹی بنائی جائے

(11) حکومت اور علماء کے تعاون سے بورڈ تشکیل دیا جائے جو اس انتہا پسندی کے خاتمہ کے لیے کردار ادا کرے۔

(12) سوشل میڈیا میں کردار ادا کرنے کے لیے اساتذہ، مبلغین اور طلبا کی ٹیم تیار کی جائے۔

(13) اختلافات کے دائروں میں فرق واضح طور پر سمجھا اور سمجھایا جائے۔

(14) اختلاف کی صورت میں دوسرے کے حقوق کو تلف نہ کیا جائے۔

(15) اختلافی مسائل چھیڑنے سے حتی الامکان باز رہا جائے۔

(16) باہمی مکالمے کے لیے ماہر علما کی زیر نگرانی ٹیمیں بنائی جائیں۔

(17) انفرادی عصبیت کی بجائے ملی واسلامی مفادات کو ملحوظ رکھا جائے۔

(18) بین المسالک حقوق کا تعین مشاورت سے طے کر کے مساویانہ عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔

(19) سوشل میڈیا کے ذریعے اشتعال انگیز مواد کو روکا جائے اور مثبت مواد عام کیا جائے۔

یہ اور اس طرح کی اور بھی تدابیر اختیار کر کے انتہا پسندی کے بڑھتے ہوئے رجحان کو کم کیا جا سکتا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تشدد وانتہا پسندی سے محفوظ رکھے، راہ اعتدال پر چلنے کی توفیق دے، اس سلسلہ کے ہر سبب سے بچنے اور اس کے تدارک کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

اس مضمون کی تیاری میں ماہنامہ محدث لاہور، محدث فورم، واٹس اپ گروپ مجلس التحقیق الاسلامی، مجموعہ علماء اھل الحدیث میں علماء کرام کے مابین ہونے والی بحوث کے قیم نکات شامل ہیں۔